فارسی زبان و ادبُ

قبل از اسلام و بعد از اسلام

فارسی زبان و ادب کی تاریخ درحقیقت ایرانی زبان کی تاریخ ہے، جسے زبانوں کی عالمی تاریخ کا بہترین حصہ کہا جائے تو یقیناً بے جا نہ ہوگا۔ ایرانی لسانیات و ادبیات کی یہ تاریخ صدیوں پر محیط ہے، جسے مطالعے کی آسانی کے لیے تاریخ ادبیات ایران کو دو اہم حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

(الف) قبل از اسلام

(ب) بعد از اسلام

ہزارۂ دوم قبل مسیح میں ہند یوروپی قوم نے، جو خود کو 'آریا' کہتی تھی، ایک خطۂ ارض کو اپنے تصرف میں کر کے اس سرزمین کا نام 'ایران' رکھا۔ لفظ 'آریا' یا 'ایران' آریانا(Airyana) سے مشتق ہے، جس کا مطلب اوستا میں آزاد اور پاک نژاد ہوتا ہے۔ زمانۂ قدیم میں ایران و ہند کے اُن قبیلوں کو آریا کہا گیا تھا جو خوارزم اور خیوہ کے اطراف میں 'ایران ویج' کے نام سے موسوم علاقے میں قبائلی زندگی بسر کرتے تھے۔ یہی لوگ جب 'ایران ویج' کا علاقہ چھوڑ کر اپنے ساز و سامان کے ساتھ مشرقی ایران کے صحرائی علاقوں میں داخل ہوئے اور وہاں پہلے سے موجود لوگوں کے ساتھ گھل مل کر رہنے لگے تو اُن کا یہ نیا مسکن 'آریانا' کہلایا، جو آج ایران کے نام سے جانا جاتا ہے۔

آٹھویں صدی قبل مسیح کے اواخر میں دیوکس(Deioces) نے ہمدان میں حکومتِ ماد کے نام سے ایک حکومت قائم کی۔ یہ حکومت، آشوری حکومت کے تابع تھی۔

اوایل ساتویں صدی قبل مسیح میں شوش کے نزدیک پارسومش(Parsumash) ہخامنش نامی شخص نے، جو سلسلۂ خاندان ہخامنشی کا بانی ہے، پارس (فارس) کے بعض قبیلوں پر حکمرانی کی تھی۔ اس کی حکومت، حکومتِ ماد کے تابع تھی لیکن اس کے اخلاف میں سے کوروش اعظم نے ۵۵۹ ق م میں حکومت ماد کے آخری بادشاہ استیاک یا آستیاگس (Astyages) کو شکست دے کر اس کی حکومت کا خاتمہ کر دیا اور سلسلۂ خاندان ہخامنشی کی ایک مستقل حکومت کی داغ

بیل رکھی۔ یہ حکومت ۳۳۰ ق م تک قائم رہی۔ اس کے بعد یہ سلسلہ ۳۳۱ ق م میں اسکندر مقدونی کے حملۂ ایران سے بکھر گیا اور اس نے اس عظیم الشان حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ ہخامنشیوں کے دار الحکومت کو نذر آتش کر دیا۔ ۳۲۳ قبل مسیح میں اسکندر کی وفات کے بعد اس کی جانشینی کو لے کر آپس میں لڑائی جھگڑے شروع ہو گئے اور بالآخر اس کے ایک بڑے سردار سلوکس کو اس کی جانشینی ملی۔ اس نے حکومت سلوکیہ کی بنیاد رکھی اور تقریباً ۸۰ سال ایران میں اس سلسلے کی حکومت رہی۔ لیکن آپسی تنازعے اور عوام کی ناراضگی کے سبب ۲۵۰ قبل مسیح میں اشکانی حکومت برسر اقتدار آ گئی۔ یہ لوگ صوبۂ پارت (مشرقی گرگان اور خراسان قدیم) سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی حکومت بھی آپسی لڑائی جھگڑوں اور رومیوں سے ڈھائی سو سالہ طویل جنگوں کے سبب رو بہ زوال ہوتی گئی اور ۲۲۶ عیسوی میں ان کی جگہ ساسانی سلسلے نے لے لی۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ اشکانیوں کے دورِ حکومت میں یونانی، سرکاری زبان بن گئی تھی اور مملکت کے بعض حصوں میں پارتی زبان بھی رائج تھی۔ اس عہد سے متعلق کچھ سکّے، کتبے اور قبالہ جات وغیرہ ملتے ہیں۔

دورِ ہخامنشی اس اعتبار سے قابل توجہ ہے کہ ایرانیوں نے اسی زمانے میں بادیہ نشینی چھوڑ کر رفتہ رفتہ تہذیب و تمدن سے قربت حاصل کی تھی اور ایک ایسی عظیم الشان حکومت قائم کرنے میں کامیابی حاصل کی تھی، جس کا دائرۂ اقتدار بہت وسیع و عریض علاقے پر محیط تھا اور جو حکومت ہخامنشی کے نام سے جانی جاتی ہے۔ ایرانیوں کے اس علاقے میں داخل ہونے سے لے کر ۳۳۱ قبل مسیح تک کے دور کو 'دورۂ باستان' یا 'عہد قدیم' کہا جاتا ہے جو ۵۵۹ سے ۳۳۱ قبل مسیح پر محیط ہے۔

اس عہد میں بولی جانے والی زبان کو 'فارسی باستان' کہا جاتا ہے۔ یہ خط میخی میں لکھی جاتی تھی۔ اس زبان کے جو آثار دستیاب ہوئے ہیں وہ زیادہ تر پتھروں پر کندہ کتبے ہیں۔ ہخامنشی بادشاہوں کے عہد سلطنت میں یہ زبان، سرکاری زبان تھی۔ یہ کتبے ایران میں ہخامنشی بادشاہوں کی اہم ترین یادگاریں ہیں، جو داریوش اوّل (۵۲۱-۴۸۶ ق م) کوروش اعظم بانی سلطنت ہخامنشی (۵۵۹-۵۲۹ ق م) اور خشایارشا (۴۸۶-۴۶۵ ق م) سے متعلق ہیں اور ایران کے علاوہ دیگر مقامات سے دریافت ہوئے ہیں، ان میں کوہ بیستون کا کتبہ سب سے بڑا کتبہ ہے، جسے داریوش اوّل (۵۲۱-۴۸۶ ق م) نے کندہ کروایا تھا۔

زبانوں کے ایک اہم خاندان یا گروہ کو ہند۔ یوروپی گروہ کے نام سے جانا جاتا ہے، جس میں مختلف زبانیں شامل ہیں، ان ہی میں ایک اہم گروہ ہند۔ ایرانی یا آریائی خاندان ہے۔ ایرانی زبانیں اسی گروہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان زبانوں کو تاریخی ارتقا کے لحاظ سے تین حصوں یا گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) قدیم ایرانی زبانیں (زبانہائے پارسی باستان)

(۲) متوسط زبانیں (زبانہائے میانہ)

(۳) موجودہ فارسی (فارسی امروزہ یا فارسی کنونی)

قدیم ایرانی زبانیں (زبانہای پارسی باستان):

قدیم ایرانی زبانوں سے مراد درج ذیل زبانیں ہیں:

(الف) مادی (ب) پارسی باستان (ج) اوستایی

مادی

مادی زبان کا تعلق سلسلۂ شاہان ماد سے ہے، جنھوں نے ہمدان میں اپنی حکومت قائم کی تھی۔ علاوہ ازیں یہ مغربی اور مرکزی ایران کے لوگوں کی زبان بھی تھی۔ یہ حکومت، آشوری حکومت کے تابع تھی۔ اس زبان کے بعض الفاظ شاہان آشوری کے کتبوں اور یونانی زبان میں ملتے ہیں لیکن ان کا اہم ماخذ ہخامنشی بادشاہوں کے کتبے ہیں۔

پارسی باستان

اسے 'فرس قدیم' اور ''فرس ہخامنشی'' بھی کہا گیا ہے۔ یہ پارس کے لوگوں کی زبان ہونے کے ساتھ ساتھ عہد ہخامنشی میں ایران کی سرکاری زبان بھی تھی۔ یہ سنسکرت اور اوستایی زبانوں سے قربت رکھتی تھی۔ اس زبان کے باقی ماندہ آثار میں ہخامنشی بادشاہوں کے وہ کتبے ہیں، جو کوہ بیستون، تخت جمشید اور نقش رستم وغیرہ میں پائے جاتے ہیں۔ ان میں قدیم ترین کتبہ داریوش اعظم (تقریباً ۵۸۰-۶۱۰ قبل مسیح) اور جدید ترین کتبہ اردشیر سوم (۳۳۸-۳۵۸ ق م) سے متعلق ہیں۔ لیکن اس زبان کا سب سے اہم اور سب سے بڑا کتبہ کوہِ بیستون میں داریوش اعظم کے حکم سے کندہ کرایا گیا تھا۔ یہ کتبے خط میخی میں ہیں۔ پارسی باستان کو بائیں سے دائیں لکھا جاتا تھا۔ اس کے حروف تہجی ۳۶ تھے۔

اوستایی

اوستایی زبان مشرقی ایران کے ایک علاقے میں بولی جاتی تھی لیکن یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ کس مخصوص علاقے میں رائج تھی۔ زرتشتی مذہب کی کتاب ''اوستا اسی زبان میں لکھی گئی تھی۔ اسی وجہ سے اسے اوستایی زبان کہا گیا۔ کتاب اوستا ساسانیوں کے عہد اور تیسری سے ساتویں صدی عیسوی تک ایران قدیم کے سرکاری مذہب یعنی دین زرتشتی کی مقدس کتاب تھی۔ یہ جس خط میں لکھی جاتی تھی اسے 'خطِ اوستایی' یا 'دین دبیری' کہتے تھے۔ یہ خط

ساسانی عہد میں وضع ہوا تھا اور دائیں سے بائیں لکھا جاتا تھا۔ اس کے حروف تہجی ۴۴ تھے۔ اوستا جن پانچ حصوں پر مشتمل ہے، ان کے نام یہ ہیں (۱) یسنا (۲) ویسپرد (۳) وندیداد (۴) یشتہا اور (۵) خردہ اوستادہ۔ اوستا کا جو ترجمہ پہلی بار، پہلوی زبان میں ہوا اُسے ''ژند'' کہا جاتا ہے اور ''ژند'' کی تشریح یا ترجمہ ''پاژند'' کہلاتا ہے۔

متوسط ایرانی زبانیں (زبانہای میانہ)

''پارسی میانہ'' قدیم اور جدید عہد کے درمیان کی تھیں اسی لیے انھیں زبانہائے میانہ (متوسط) کہا جاتا ہے لیکن ان کا آغاز کب ہوا، اس بارے میں کوئی تاریخی ثبوت نہیں ملتا۔ ان زبانوں کے تحت پارتی (پہلوی اشکانی) اور مانوی زبانیں آتی ہیں۔ فارسی میانہ سے مراد 'پہلوی' یا 'وسطی' زبان ہے، جو اشکانیوں کے عہد سے ایران کی علمی اور ادبی زبان تھی، جس کا سلسلہ ساسانی دَور تک برقرار رہا۔ اس کے حروف تہجی کی تعداد ۲۵ تھی اور یہ خط دائیں سے بائیں لکھا جاتا تھا۔ پہلوی زبان کے جو آثار ملتے ہیں ان میں معروف کتابیں مینوی خرد، کارنامۂ اردشیر بابکان، بندھشن اور درختِ آسوریک وغیرہ موجود ہیں۔ ادبیات پارسی میانہ کو دو حصے میں تقسیم کیا گیا ہے یعنی پہلوی اشکانی کا ادب اور پہلوی ساسانی کا ادب۔

پہلوی اشکانی

اشکانیوں کے عہد کی سرکاری زبان پہلوی اشکانی تھی، خط پہلوی میں لکھی جاتی تھی، یہ خط، خط فینقی سے مشتق و ماخوذ تھا۔ پہلوی اشکانی میں چند مختصر تحریریں ملتی ہیں۔

پہلوی ساسانی

پہلوی ساسانی، ساسانیوں کے عہد میں سرکاری زبان تھی اور اس کا رسم الخط بھی وہی خط پہلوی اشکانی تھا لیکن ذرا سی تبدیلی کے ساتھ۔ ساسانی عہد کے کتبے، سکّے، مُہریں اور ظروف اور بعض کتب و رسائل باقی بچے ہیں۔ کتب و رسائل پہلوی زبان میں ہیں اور ان کی کتابت بعد از اسلام کے عہد یا ادوار سے متعلق ہے۔ اوستا کے بعض حصے بھی پہلوی زبان میں لکھے گئے ہیں۔ ادبیات پہلوی تیسری صدی ہجری تک باقی رہا۔

فارسی دَری یا فارسی بعد از اسلام

پہلوی ساسانی کے بعد فارسی بعد از اسلام یا فارسی دَری کا زمانہ آتا ہے۔ فارسی دَری کے بارے میں بعض

لوگوں کا خیال ہے کہ ظہور اسلام سے کچھ قبل سرزمین ایران میں رائج ہوئی اور رفتہ رفتہ ترقی کے منازل طے کرتی رہی۔

زبان دَری کی وجہ تسمیہ مختلف لوگوں نے مختلف بیان کی ہے، جس میں ایک یہ بھی ہے کہ بہمن اسفندیار کی حکومت کے زمانے میں مختلف مقامات سے لوگ اس کے دربار میں آتے تھے لیکن وہ ایک دوسرے کی زبان نہیں سمجھتے تھے۔ اس کے حکم سے علما و دانشوروں نے فارسی زبان وضع کی اور اسے 'دَری' کا نام دیا یعنی وہ زبان، جس میں بادشاہ کے دربار میں گفتگو کی جاتی تھی۔ بادشاہ کے حکم سے پورے ملک میں یہی زبان رائج ہوئی۔ یہ زبان، ظہور اسلام کے ساتھ پورے ایران میں پھیل گئی اور شعرا و مصنفین، اسی زبان میں شعر کہنے اور کتابیں اور رسالے لکھنے لگے۔ طاہری اور صفّاری سلسلہ ہائے حکومت میں اس زبان میں اور بھی ترقی ہوئی۔ اس زبان کے قدیم ترین موجود آثار میں مقدمۂ شاہنامۂ ابو منصوری ہے، جو ۳۴۶ھ/ ۹۵۷ء میں لکھا گیا ہے۔ اسی طرح فارسی دَری میں قدیم ترین فارسی شاعری کے نمونے حنظلہ بادغیسی، ابو حفص سغدی، عباس مَروَزی، محمد بن وصیف، بسّام کُرد اور چند دیگر شعرا کے کلام کی صورت میں ملتے ہیں۔

جب فارسی دَری، ایران کی سرکاری زبان بن گئی تو پہلوی یا فارسی میانہ آہستہ آہستہ زوال سے ہمکنار ہوتی گئی۔ ترکی اور عربی زبان کے الفاظ اس زبان میں داخل ہونے لگے اور بہت کم قدیم الفاظ باقی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ بھی رفتہ رفتہ بھلا دیے گئے اور ایک زمانہ وہ بھی آیا کہ اس زبان نے عروج حاصل کیا اور سیکڑوں شعرا و ادبا نے اس زبان کو ترقی اور مقبولیت سے ہمکنار کر کے موجودہ صورت عطا کر دی ہے۔

فارسی زبان و ادب کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے درج ذیل چند اہم عناصر کو ذہن نشیں رکھنا مناسب ہوگا۔

ادبی زبان سے مراد وہ زبان ہوتی ہے، جسے شعرا و ادبا شاعری یا نثر نویسی کے لیے استعمال کرتے ہیں، جس میں فصاحت و بلاغت کے عناصر شامل ہوتے ہیں۔ صاف و سادہ اور مسجع و مقفیٰ، دونوں طرح کی زبان، ادب میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ ادب کی دو بنیادی قسمیں ہیں یعنی نثری ادب اور منظوم ادب۔ ادبِ منظوم کی مختلف صنفیں ہیں۔ ان میں قصیدہ، غزل، رباعی اور مثنوی اور قطعہ وغیرہ کو اہم ترین صنف شاعری قرار دیا جاتا ہے۔

قصیدہ

قصیدہ نظم کی وہ قسم ہے، جس میں کسی کی تعریف یا ہجو بیان کی گئی ہو۔ اس کے پہلے دونوں مصرعے میں قافیے کا التزام ہوتا ہے۔ فارسی میں موضوع کے اعتبار سے مدحیہ، ہجویہ، رزمیہ اور رثائیہ وغیرہ قصیدے ملتے ہیں۔ قصیدے

کے پہلے شعر کو مطلع اور آخری شعر کو جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے، مقطع کہتے ہیں۔ قصیدے کے آغاز میں شاعر جو مضامین بیان کرتا ہے اُسے تشبیب کہتے ہیں اور جب شاعر اصل مقصود بیان کرنا چاہتا ہے تو وہ تشبیب سے 'گریز' اختیار کر کے اصل مقصد پر آتا ہے اسی لیے اسے ''گریز'' کا نام دیا گیا ہے۔ جس قصیدے میں تشبیب نہ ہو اُسے مقتضب یا محدود کہتے ہیں۔ فارسی قصاید کے اشعار کی تعداد کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ۲۱ سے کم نہ ہو اور زیادہ کی کوئی قید نہیں۔ فارسی میں مختصر اور طویل قصیدے بھی ملتے ہیں۔ فارسی کے معروف قصیدہ گو شاعروں میں فرخی سیستانی، انوری، ظہیر فاریابی، خاقانی شیروانی، سعدی شیرازی، عنصری، منوچہری اور قاآنی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

غزل

''غزل ایک ہیئتی صنف ہے۔ غزل کا ہر شعر جداگانہ مضمون کا حامل ہوتا ہے۔ قدیم میں مسلسل غزلیں بھی ہوتی تھیں، جن میں ایک ہی موضوع بالخصوص عشق و عاشقی کی باتوں پر مختلف انداز سے اظہار خیال کیا جاتا تھا۔ غزل میں بھی قصیدہ کی طرح قافیہ، ردیف اور وزن کی قید ہوتی ہے۔ اس کے پہلے شعر کو مطلع اور مطلع کے بعد اسی طرح کا شعر آئے تو اسے حسن مطلع کہتے ہیں۔ غزل کے اشعار کی تعداد سات سے تیرہ شعر تک بتائی گئی ہے۔ غزل کا آخری شعر، جس میں شاعر اپنا تخلص لاتا ہے، مقطع کہلاتا ہے۔ فارسی غزل گویوں میں رودکی، حافظ شیرازی، سعدی شیرازی، نظامی گنجوی، امیر خسرو دہلوی، حکیم سنائی، بیدل عظیم آبادی، بہار مشہدی اور محمد حسین شہریار وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

رباعی

رباعی کو ترانہ اور دوبیتی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ چار مصرعوں یا دو شعروں پر مشتمل ہوتی ہے، اور مخصوص اوزان میں کہی جاتی ہے۔ اس کا پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرع ہم قافیہ ہوتا ہے۔ اس کا ایک مخصوص و معروف وزن 'لاحول ولاقوۃ الا باللہ' ہے۔ رباعی بھی غزل کی طرح ہیئتی صنف ہے۔ فارسی میں رباعی ہمیشہ سے ہی ایک مقبول صنف سخن رہی ہے اور فارسی کے قدیم و جدید شعرا نے اس صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ رباعی گو کی حیثیت سے عمر خیام کو کافی شہرت حاصل ہے۔

مثنوی

مثنوی کے لغوی معنی دو دو والا اور اصطلاح میں شاعری کی ایک قسم جس میں کوئی مسلسل بات بیان کی گئی ہو۔ اس میں ہر شعر کا قافیہ الگ ہوتا ہے لیکن اس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ اس کے اشعار کی تعداد معین نہیں ہے۔ فارسی میں واقعاتی یا تاریخی نظم لکھنے کے لیے اس صنف کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس میں مختلف قسم کے موضوعات پر

اظہار خیال کی بڑی گنجائش ہوتی ہے۔ فردوسی کا شاہنامہ، مثنوی مولانا روم اور نظامی گنجوی، امیر خسرو دہلوی اور مولانا جامی کی مثنویاں تاریخی اہمیت کی حامل ہیں۔

قطعہ

. اس کے لغوی معنی ٹکڑا، حصہ، جز وغیرہ کے ہیں۔ اصطلاح میں ایسی نظم کو قطعہ کہا جاتا ہے، جس میں کوئی ایک چیز بیان کی جاتی ہے۔ اس میں مطلع نہیں ہوتا اور کم سے کم ۲ شعر اور زیادہ سے زیادہ ۱۲ شعر ہوتے ہیں۔ قطعہ میں موضوعات کے اعتبار سے اکثر پند و موعظت، تقاضا و شکایت اور تاریخ و اندرز وغیرہ کا بیان ہوتا ہے۔ سعدی نے گلستاں میں مطالب کی توضیح و تشریح کے لیے اکثر ایک حکایت کے بعد یا درمیان حکایت کوئی قطعہ شامل کر کے اپنی بات کو مزید پُراثر بنا دیا ہے۔

سبک شناسی

سبک، عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی سونا اور چاندی کو پگھلانا اور ڈھالنا ہے لیکن ادبی اصطلاح میں نظم و نثر کے ایک خاص طرز یا اسلوب یا ادا کو 'سبک' کہتے ہیں، جو انگریزی زبان کے لفظ Style کا متبادل ہے۔ ہر شاعر اور ادیب کا اپنا ایک خاص طرز و اسلوب ہوتا ہے، جو اس کی تخلیقات سے عیاں ہوتا ہے۔ فارسی زبان میں مختلف قسم کے سبک / طرز و اسلوب مختلف زمانوں میں مروّج رہے ہیں، جن کو درج ذیل ناموں سے جانا جاتا ہے۔

۱- سبک خراسانی ۲- سبک عراقی ۳- سبک ہندی
۴- سبک بازگشت ۵- سبک مشروطہ ۶- سبک آزاد

سبک خراسانی یا ترکستانی

چوتھی صدی ہجری کے وسط سے لے کر چھٹی صدی ہجری کے وسط تک فارسی شاعری میں سبک خراسانی یا ترکستانی کا رواج تھا چونکہ یہ سبک یا طرز خاص خراسان یا ترکستان کے علاقے میں وجود میں آیا یا وہاں اس کی نشو ونما ہوئی اسی لیے اس سبک کے ساتھ اس علاقے کا نام جوڑ دیا گیا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مقام کے نام کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں ہے۔ سبک خراسانی کو کچھ عرصے تک سبک ترکستانی بھی کہا گیا تھا۔ اس طرز و اسلوب کے حامل شعرا نے مناظر قدرت کی حقیقی تعریف و توصیف کو اپنا مخصوص طرز بنایا اور پیچیدہ ادبی صنعتوں کے استعمال سے احتراز کیا ہے۔ اس اسلوب کے شاعروں میں فردوسی، رودکی، منوچہری، فرخی اور عنصری کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔

سبک عراقی

سبک عراقی ساتویں صدی ہجری سے دسویں صدی ہجری کے اواخر تک رائج رہا۔ اس کی نمایاں خصوصیت صوفیانہ اور عرفانی افکار و خیالات کو غزل کے پیرایے میں پیش کرنا ہے۔ اس اسلوب کے شاعروں میں عطار نیشاپوری، سعدی شیرازی، مولانا روم اور حافظ شیرازی کے نام اہم ہیں۔

سبک ہندی

سبک ہندی کا آغاز عہد صفویہ یعنی دسویں صدی ہجری سے ہوتا ہے۔ جب ایرانیوں نے مہاجرت کر کے ہندستان کو اپنا مامن و مسکن بنایا تو یہاں ان شعرا کا کلام ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور ان کی مقبولیت روز بروز بڑھتی گئی۔ اس اسلوب شاعری کے نمایاں اوصاف میں پیچیدہ اور لطیف خیالات اور مضمون آفرینی ہے۔ شعرا کے کلام میں حیرت انگیز تخیلات کی جلوہ سامانیاں ہیں۔ اس سبک کے اہم شعرا میں صائب تبریزی، طالب آملی، کلیم کاشانی، عرفی شیرازی اور بیدل کا نام لیا جاسکتا ہے۔

سبک بازگشت

سبک بازگشت نے عہد قاچاریہ میں رواج پایا۔ اس اسلوب کے حامل شاعروں کے پیش نظر فارسی شاعری کی ایک ہزار سال کی تاریخ تھی۔ انھوں نے اپنے عہد میں رائج سبک ہندی سے بیزار ہو کر سبک خراسانی کو اپنا لیا، جس کی خصوصیت واقعیت نگاری تھی لیکن سبک بازگشت کے شعرا اپنا کوئی مخصوص اسلوب بنانے یا مروج کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے اور انھوں نے صرف متقدمین شعرا کے اسلوب کی تقلید کو ہی ضروری سمجھا۔ ایسے شاعروں میں سروش اصفہانی و قاآنی شیرازی کا نام لیا جاتا ہے۔

سبک مشروطہ

۱۸۹۶ء سے ۱۹۲۰ء تک ایران میں ایک سیاسی تحریک چلی تھی، جس کا نام ''تحریک مشروطیت'' ہے۔ اس تحریک کے دوران جو ادب وجود میں آیا اسے 'ادبیات مشروطہ' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ موضوعات کے لحاظ سے اس کی نمایاں خصوصیت ظلم و ستم کے خلاف علم جہاد بلند کرنا اور بیدادگروں کے ظالمانہ رویے کی پول کھولنا تھا تاکہ عوام اُن کے کرتوتوں سے واقف ہوسکیں۔ سبک مشروطیت کا نمایاں وصف سادہ اور آسان زبان کا استعمال ہے۔ اس عہد کی شاعری میں عوامی زبان کے الفاظ و محاورے اور اصطلاحات کا استعمال ملتا ہے۔ سبک مشروطہ کے حوالہ سے سید اشرف گیلانی،

علی اکبر دہخدا، ایرج میرزا، محمد تقی بہار مشہدی، عارف قزوینی اور میرزادہ عشقی کے نام خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

سبک آزاد

۱۹۴۱ء سے فارسی شاعری میں ایک نیا رُجحان دیکھنے میں آتا ہے۔ یہ رجحان مغربی شاعری کے زیر اثر ایران میں پروان چڑھا جس نے قدیم اور مروجہ ہیئتوں میں زبردست تبدیلی پیدا کر دی۔ یہ نیا اسلوب فارم اور شاعرانہ نقطۂ نظر کے لحاظ سے قدیم اسلوب اور طرز و ادا سے بہت مختلف تھا۔ اس نئے اسلوب کو سبک آزاد یا سبک تازہ کا نام دیا گیا، جس کے تحت فارسی میں آزاد شاعری کا آغاز ہوا لیکن یہ آزاد شاعری بالکل ہی آزاد نہ ہو کر مخصوص اوزان و بحور میں ہونے لگی۔ ایسے شعرا میں نیما یوشیج، احمد شاملو، مہدی اخوان ثالث، فروغ فرخ زاد، سہراب سپہری اور شفیعی کدکنی کے نام سرفہرست ہیں، جنھوں نے جدید موضوعات کو جدید طرز و ادا میں موضوع سخن بنایا ہے۔

ادبیات فارسی بعد از اسلام

ماقبل عہد غزنویہ

عہد طاہریان

طاہری سلسلہ کا بانی طاہر بن حسین ہے اور اس خاندان کا آخری حکمراں ابوطیب طاہر کا بیٹا محمد۔ اس خاندان کی حکومت نصف صدی تک صوبہ خراسان پر رہی۔ فارسی کے شاعر حنظلہ بادغیسی کا تعلق اسی دور سے ہے، جو نیشاپور میں عبداللہ بن طاہر کے دور میں تھا۔ حنظلہ بادغیسی کے اشعار تذکروں میں ملتے ہیں۔ دور طاہری کے اس شاعر کی وفات ۲۲۰ھ/ ۸۳۵ء میں ہوئی۔

عہد صفاریان

طاہری خاندان کے خاتمہ کے بعد صفاری خاندان کی حکمرانی کا زمانہ آتا ہے۔ یعقوب لیث صفاری اس سلسلہ کا بانی حکمراں ہے۔ اس عہد کے فارسی شعرا میں فیروز مشرقی اور ابوسلیک گرگانی کا نام آتا ہے۔ یہ دونوں، اس خاندان کے دوسرے حکمراں عمرو بن لیث صفاری کے ہم عصر تھے۔

عہد سامانیان

ماقبل عہد غزنویہ کے مذکورہ ادوار میں عہد سامانیان کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اس کا تفصیلی ذکر آئندہ باب میں پیش کیا جا رہا ہے۔

عہد سامانی کی سیاسی اور علمی و ادبی صورتحال

سامان، سمرقند کے پاس ایک گانو تھا، جس کے باشندے زرتشتی مذہب کے ماننے والے تھے۔ ان کا مورث اعلیٰ سامان خدا، عہد ساسانی کے ایک سردار بہرام چوبین کی اولاد میں تھا۔ سامان خدا، عہد بنی اُمیہ سے بلخ کا حاکم تھا۔ اس کے بعد اس کی اولاد نے بلخ پر حکومت کی۔ ہارون رشید کی حکومت کے زمانے میں انھوں نے خراسان کی بغاوت کو

کچلنے میں ہارون کی مدد کی تھی، جس کے سبب ان کی اہمیت بہت بڑھ گئی تھی اور مامون رشید کی خلافت کے زمانے میں جب وہ مرو میں (۱۹۳-۲۰۲ھ / ۸۰۸ - ۸۲۵ء) تھا، تو اسد بن سامان اپنے چار بیٹوں نوح، احمد، الیاس اور یحییٰ کے ساتھ مامون کی خدمت میں آ گیا۔ اسد نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ مامون نے فرغانہ کی حکومت احمد کو، سمرقند کی حکومت نوح کو، چاچ کی حکومت یحییٰ کو اور ہرات کی حکومت الیاس کو دی۔

نوح کی وفات کے بعد سمرقند کی حکومت بھی احمد کو مل گئی۔ احمد کے سات بیٹے تھے، جن میں دو بیٹے نصر اور اسماعیل زیادہ باصلاحیت اور بہادر تھے۔ احمد نے فرغانہ کی حکومت اپنے بیٹے نصر کے حوالے کر دی۔ ۲۶۶ھ/۸۷۹ء میں عباسی خلیفہ معتضد کے حکم سے ماوراء النہر کی تمام حکومت احمد کے سپرد کر دی گئی۔ یہیں سے سامانی خاندان کی ترقی کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ جب ۲۷۹ھ/۸۹۲ء میں نصر کی وفات ہوگئی تو اس کا پورا علاقہ اسماعیل کو مل گیا۔ اس نے عمرو لیث (۲۸۷ھ/۹۰۰ء) پر غلبہ پانے کے بعد خراسان کو بھی اپنے علاقے میں شامل کر لیا۔ اس خاندان کا آخری حکمراں عبدالملک بن نوح تھا۔ یہ ایک ناتجربہ کار شخص تھا۔ اسے ۳۸۹ھ /۹۸۸ء میں محمود غزنوی نے معزول کر کے سامانی خاندان کی حکومت کا سلسلہ ختم کر دیا۔

سامانی عہد حکومت میں قدیم ایران کے آداب و رسوم برقرار تھے۔ اس عہد سے ایران کی قدیم ملّی داستانوں اور رزمیوں کی شروعات ہوتی ہے۔ ان کی حکومت کے دوران دوسرے سلسلوں کی حکومتیں بھی مختلف علاقوں میں موجود تھیں جو سامانی حکومت کے زیر نظر ہی کام کرتی تھیں ایسے خاندانوں کی حکومتوں میں خراسان میں چغانیوں، خوارزم میں خوارزم شاہیوں اور گرگانج میں مامونیوں کی حکومت کا نام لیا جاسکتا ہے۔ چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں سامانیوں کی حکومت کے کمزور ہونے پر آل زیار اور آل بویہ جیسے خاندانوں نے زور پکڑا۔

سامانی عہد میں فارسی زبان و ادب نے کافی ترقی کی۔ یہ خاندان فارسی زبان سے دلچسپی رکھتا تھا اور اس خاندان کے اکثر افراد اور ان کے درباری خود عالم فاضل اور شاعر تھے۔ اس دور میں علوم وفنون نے بھی کافی ترقی کی۔ فارسی نظم ونثر کے بہت سے علما اس عہد میں موجود تھے۔ شاعروں میں شہید بلخی، رودکی سمرقندی، ابوشکور بلخی، ابوالمؤید بلخی، منجیک ترمذی، دقیقی طوسی، کسائی مروزی، عمارہ مروزی اور رابعہ بلخی جیسے نامور شعرا اسی عہد سے تعلق رکھتے ہیں۔ ذیل میں ان میں سے چند شاعروں کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے۔

عہد سامانی کے شعرا

شہید بلخی (وفات تقریباً ۳۲۵ھ / ۹۳۶ء)

نام ابوالحسن، شہید تخلص۔ چوتھی صدی ہجری کا شاعر و متکلم و حکیم تھا۔ بلخ کا باشندہ تھا۔ عربی اور فارسی زبانوں میں مہارت حاصل تھی۔ اپنے عہد کا نامور شاعر تھا۔ خاص کر غزل گوئی میں کافی مشہور تھا۔ سامانی حکمرانوں میں نصر بن احمد اور ابوعبداللہ محمد بن احمد جیہانی کی مدح کی ہے۔ اس شاعر کو رودکی جیسے شاعر کا ہم پلّہ تسلیم کیا گیا ہے۔

رودکی سمرقندی (وفات ۳۲۹ھ / ۹۴۰ء)

رودکی سمرقندی چوتھی صدی ہجری کے اوائل کا استاد شاعر کہا گیا ہے۔ اس کا نام ابوعبداللہ جعفر بن محمد اور تخلص رودکی ہے۔ رودکی سامانی بادشاہوں اسماعیل، احمد اور نصر کا درباری شاعر تھا۔ ان کے علاوہ بھی اس نے کئی دوسرے بادشاہوں کی تعریف کی ہے۔

رودکی کا شمار فارسی کے اوّلین اور عظیم شعرا میں ہوتا ہے۔ نظامی عروضی نے ''چہار مقالہ'' میں ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ سامانی بادشاہ نصر بن احمد، ہری (ہرات) میں چار سال تک خیمہ زن تھا اور وہاں کے قدرتی مناظر میں ایسا محو ہو چکا تھا کہ مملکت داری ہی بھول گیا۔ وزرا ہر طرح کی ترکیب کر چکے تھے مگر اسے مملکت کے دارالخلافہ میں بلانے سے معذور ہو گئے تھے۔ آخر میں انھوں نے رودکی کا سہارا لیا اور اس نے اپنا مشہور قصیدہ:

بوی جوی مولیان آید ہمی یادِ یارِ مہربان آید ہمی

کچھ اس انداز سے پیش کیا کہ سلطان فوراً بخارا کے لیے روانہ ہو گیا۔

اس حکایت میں چاہے جس قدر مبالغے سے کام لیا گیا ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ رودکی اپنے دور کا نہایت باکمال شاعر گزرا ہے۔ اس واقعے سے شاعری کی قوت کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ نابینا پیدا ہوا تھا لیکن اس کے یہاں ایسے اشعار ملتے ہیں، جن سے اس بات کی نفی ہوتی ہے کہ وہ پیدائشی نابینا تھا۔ عوفی نے لکھا ہے کہ اس نے آٹھ سال کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا تھا۔ خوش آواز تھا اور دَف بہت عمدہ بجاتا تھا۔ درباری شاعر ہونے کی وجہ سے دولت مند بھی تھا۔ اس کے دیوان میں ہر قسم کے اشعار من جملہ قصیدہ، غزل، قطعہ و رباعی وغیرہ ملتے ہیں۔ اس نے کلیلہ و دمنہ کو بھی نظم کیا تھا۔ ابن مقفع نے پہلوی زبان سے کلیلہ و دمنہ کو عربی میں ترجمہ کیا تھا اور نصر بن احمد کے عہد میں اسے فارسی میں منتقل کیا گیا۔ اسے سلطان اور اس کے وزیر ابوالفضل بلعمی کی تشویق پر رودکی نے تقریباً ۳۲۵ھ /

۹۳۶ء میں منظوم کیا۔ اس مثنوی کی تعریف فردوسی نے بھی کی ہے۔ عنصری کے ایک شعر سے پتا چلتا ہے کہ رودکی کو اس مثنوی کا صلہ چالیس ہزار درہم ملا تھا۔ رودکی کے اشعار کی تعداد بھی بہت زیادہ یعنی تیرہ لاکھ بتائی جاتی ہے لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کے اشعار کی تعداد ایک لاکھ ہوگی۔ اس کا کلام پند و موعظت اور حکیمانہ افکار کے علاوہ بے ثباتی عالم، مناظر قدرت کی عکاسی، نشاط و شادمانی کے اظہار پر مشتمل ہے۔ فارسی کے بڑے اور نامور شعرا نے بھی رودکی کی شاعرانہ عظمت و برتری کا اعتراف کیا ہے، جن میں عنصری کا یہ دو شعر بہت مشہور ہے:

غزل رودکی وار نیکو بُود　　غزلهای من رودکی وار نیست
اگرچه بکوشم به باریک و هم　　بدین پرده اندر مرا بار نیست

رودکی کا اسلوب بیان بہت سادہ، رواں اور تکلف سے عاری ہے۔ اس کی تشبیہات متحرک ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے مناظر قدرت کو دل کی آنکھوں سے دیکھا ہے اور جو دیکھا ہے، اسے ہم سب کو کامیابی سے دکھا دیا ہے۔ رودکی سبک خراسانی کا بانی ہے۔ اس کی شاعری میں جذبۂ انبساط کی فراوانی ملتی ہے۔

نمونۂ کلام:

زمانه پندی آزاد وار داد مرا　　زمانه را چو نکو بنگری همه پندست

چهار چیز مر آزاده را ز غم بخرد　　تنِ درست و خوی نیک و نام نیک و خرد
هر آنکه ایزدش این هر چهار روزی کرد　　سزد که شاد زید شادمان و غم نخورد

ابوشکور بلخی

ابوشکور بلخی چوتھی صدی ہجری کے اوایل کا شاعر ہے، جو رودکی اور فردوسی کے درمیانی عہد میں گزرا ہے۔ اس کے زیادہ تر قصاید ہیں۔

ابوشکور بلخی کی معروف تخلیق مثنوی ''آفرین نامہ'' ہے، جو فارسی کی قدیم ترین مثنوی کہی جاتی ہے۔ بظاہر اس کے آغاز کا سال ۳۳۳ھ/۹۴۴ء اور تکمیل کا سال ۳۳۷ھ/۹۴۸ء ہے۔ اس مثنوی کے کچھ اشعار ہی ملتے ہیں، جس سے شاعر کی قادر الکلامی ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے یہاں انسان کی کج فکری اور کوتاہ اندیشی کے ساتھ علم و دانش کی وسعت نیز فروتنی اور خودداری جیسے مضامین ملتے ہیں۔

نمونۂ کلام:

تا بدانجا رسید دانش من که بدانم ہمی که نادانم

به دشمن بَرَت استواری مباد که دشمن درختی است تلخ از نہاد

دقیقی طوسی

ابومنصور محمد بن احمد، عہد سامانی کا مشہور شاعر گزرا ہے۔ اس کی ولادت بہ گمان غالب چوتھی صدی ہجری کے نصف اوّل میں ہوئی۔ بعضوں نے اسے طوس کا اور بعضوں نے سمرقند یا بلخ کا باشندہ بتایا ہے۔ وہ زرتشتی مذہب کا پیروکار تھا۔ اس نے ایام جوانی میں شاہنامہ کہنا شروع کیا تھا لیکن اس کی تندخوئی کے سبب اس کے غلام نے ہی اسے قتل کر دیا۔ یہ واقعہ ۳۶۷-۳۶۹ھ/ ۹۷۷-۹۷۹ء کے درمیان ہوا تھا۔ دقیقی نے چند سامانی اور چغانی امرا کی مدح میں قصاید بھی کہے ہیں۔ اور اس کے کلام میں غزلیں بھی ملتی ہیں، جو اس کی استادانہ حیثیت کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔ اس کی اہم ترین کاوش گشتاسپ نامہ ہے۔ یہ شاہنامہ کا وہ حصہ ہے، جو فردوسی سے پہلے لکھا گیا۔ اس میں ایک ہزار اشعار شامل ہیں۔ دقیقی کے اشعار کی تعداد بعض نے تین ہزار اور بعض نے بیس ہزار بتائی ہے۔ بلا شبہ دقیقی نہایت قادر الکلام شاعر تھا۔ اس کے کلام میں فصاحت و بلاغت، روانی و لطافت، نازک خیالی، نادر مضامین اور دلکشی و دل انگیزی پائی جاتی ہے۔ فردوسی نے بھی اس کے اسلوب بیان خاص کر اس کی طبیعت کی روانی کی بہت تعریف کی ہے۔

نمونۂ کلام:

بر افکند ای صنم ابر بہشتی زمین را خلعت اُردی بہشتی
بہشت عدن را گلزار ماند درخت آراستہ حور بہشتی
بہ طعم نوش گشتہ چشمۂ آب بہ رنگ دیدۂ آہوی دشتی
جہان طاؤس گونہ شد بہ دیدار بہ جایی نرمی وجایی درشتی
ز گل بوی گلاب آید بد انسان که پنداری گل اندر گل سرشتی

ابوالمؤید بلخی

چوتھی صدی ہجری کے معروف شعرا میں ابوالمؤید بلخی کا بھی شمار ہوتا ہے۔ وہ بلخ کا رہنے والا تھا۔ اس کے

حالات بہت کم ملتے ہیں۔ اسے نظم ونثر دونوں میں مہارت حاصل تھی۔ اس نے فردوسی سے قبل شاہنامہ کو نثر میں لکھا تھا، جس کا ذکر قدیم کتابوں مثلاً قابوسنامہ وغیرہ میں آیا ہے۔ یوسف و زلیخا کی مشہور داستان کو پہلی بار ابوالمؤید بلخی نے ہی نظم کیا تھا لیکن یہ ناپید ہے۔ اس کے مختلف اشعار تذکروں اور فرہنگوں میں مل جاتے ہیں۔ ایک شعر میں اس نے محبوب کی انگلیوں کے سرخ کنارے اور گورے ہاتھ کو بڑی خوبصورتی سے ''سبیکہ'' یعنی ''سونے چاندی کی چمک'' کہا ہے۔

نمونۂ کلام:

انگشت را ز خونِ دل من زند خضاب　　کفّی کزو بلای تن و جانِ ہر کس است
عُنّاب و سیم اگر نبود مان روا بود　　عنّاب بر سَبیکہ سیمین او بس است

کسائی مروزی

ابوالحسن یا ابواسحٰق مجدالدین حکیم کسائی مروزی چوتھی صدی ہجری کا مشہور شاعر ہے ۔ اس کی پیدائش ۳۴۱ھ/۹۵۲ء میں ہوئی۔ وہ مرو کا رہنے والا تھا۔ کسائی کا تعلق اواخر عہد سامانی و اوائل عہد غزنوی سے ہے۔ مذکورہ دونوں سلسلۂ خاندان کے سلاطین کی اس نے مدح کہی ہے۔ کسائی نے شاعری کی ابتدا میں مداحی کا پیشہ اختیار کیا تھا لیکن آخری عمر میں اسے ترک کر دیا اور زہد و ورع اختیار کر لیا۔ اس نے پند و نصائح اور فلسفیانہ خیالات کو اپنے قصیدوں میں بڑی چابکدستی اور مہارت سے پیش کیا ہے۔ کسائی کو کسی کی تعریف کرنے اور تشبیہات کے استعمال میں استادانہ مہارت حاصل تھی۔ ناصر خسرو نے اس کے بعض قصاید پر قصیدے کہے ہیں۔ کسائی کا اسلوب بیان بہت ہی دلکش اور جاذب ہے۔ اس نے مناظر فطرت کو بڑی خوبصورتی سے نظم کیا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں اس کے مدحیہ قصیدے معروف ہیں۔ اس کے قصاید میں بڑی لطافت، معنی آفرینی اور شعریت ملتی ہے۔ اس نے مناظر قدرت کو بھی اپنے قصاید میں موضوع سخن بنایا ہے۔

رابعہ قزداری بلخی

رابعہ بنت کعب قزداری بلخی چوتھی صدی ہجری کی معروف شاعرہ گذری ہے۔ وہ پہلی شاعرہ ہے، جس کا نام ایرانی شاعروں کے نام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ اس کا کلام لطیف و نازک اور دلکش و دل انگیز خیالات کا عکاس اور فصاحت وحسن تاثیر کا بھی حامل ہے۔ اسے عربی اور فارسی دونوں زبانوں پر قدرت حاصل تھی اور وہ دونوں زبانوں میں شعر کہنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ مولانا جامی نے نفحات الانس میں اس کا ذکر زاہد و عابد وصوفی عورتوں کے ساتھ کیا

ہے۔ وہ حسین وجمیل تھی اور فضل وکمال کے زیور سے بھی آراستہ تھی۔ ''عشق'' پر رابعہ کا ایک خوبصورت شعر ہے ۔

عشق دریابی کرانہ نا پدید کی توان کردن شنا ای ہوشمند؟

عہد سامانی کی نثر، نثر نگار اور نثری آثار

چوتھی صدی ہجری یعنی زیر بحث دور میں جس طرح فارسی شاعری نے ترقی کی منزلیں طے کی ہیں اور مختلف شعرا نے اس دور میں فارسی شاعری میں گوناگوں افکار و تجربات پیش کیے اسی طرح یہ دور فارسی نثر کے لیے بھی تاریخ ادبیات ایران کا ایک اہم دور رہا ہے۔ تیسری صدی ہجری کے منثور آثار میں کوئی قابل ذکر چیز موجود نہیں ہے۔ جب کہ چوتھی صدی ہجری کی بعض اہم تالیفات دستیاب ہیں۔ اگرچہ یہ تعداد میں زیادہ نہیں مگر موضوعات کے اعتبار سے خاصا تنوع رکھتی ہیں۔ تاریخ، تفسیر قرآن، جغرافیہ اور طب وغیرہ کے علاوہ اس عہد میں ملّی اور رزمیہ داستانوں پر خاص توجہ دی گئی ہے۔

اس عہد کی نثر کا اسلوب عام طور پر صاف و سادہ اور رواں ہے۔ ہر قسم کی پیچیدگی، ابہام، لفظی صنّاعی اور تکلّفات سے عاری ہے، البتہ جو کتابیں عربی زبان سے ترجمہ ہوئی ہیں ان میں عربی الفاظ کا بیشتر استعمال ضرور ملتا ہے اور جملوں اور افعال کی تکرار بھی اس عہد کے آثار میں ظاہر ہے۔

ذیل میں اس عہد کے چند نثر نگاروں اور نثری کتابوں کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

نثری کتابیں

اس عہد کی معروف نثری کتابوں میں چند یہ ہیں:

۱- مقدمۂ شاہنامۂ ابومنصور:

شاہنامۂ ابومنصور کا مقدمہ اس عہد کا سب سے قدیم فارسی نثری نمونہ ہے، جسے ابومنصور المعمّری نے ۳۴۶ھ/ ۹۵۷ء میں صوبۂ خراسان کے سپہ سالار ابومنصور محمد بن عبدالرزاق کے حکم سے سامانیوں کے دور میں لکھا تھا۔ اس مختصر مقدمے میں سامانی دور کی نثر کی خصوصیات بخوبی نمایاں ہیں۔ یہ ''مقدمۂ قدیم شاہنامہ'' کے نام سے معروف ہے۔

ترجمۂ تفسیر طبری:

ترجمہ تفسیر طبری، محمد بن جریر طبری کی کتاب جامع البیان فی تفسیر القرآن کا ترجمہ ہے۔ اسے سامانی حکمراں منصور بن نوح (۳۵۰ھ/۹۶۱ء- ۳۶۵ھ/۹۷۵ء) کے زمانے میں علماء کے ایک گروہ نے عربی سے فارسی میں ترجمہ

کیا تھا۔ یہ فارسی نثر کی ایک اوّلین دستاویزی سند سمجھی جاتی ہے۔ یہ ترجمہ بہت صاف، سادہ، سلیس اور رواں ہے۔ اس ترجمے کی اہمیت اس اعتبار سے بہت زیادہ ہے کہ مترجمین نے قرآن کے عربی الفاظ کے مقابلے میں فارسی الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ یہ کتاب شائع ہو چکی ہے۔

تاریخ بلعمی یا ترجمۂ تاریخ طبری:

اس کتاب کا اصل نام ''تاریخ الرسل والملوک'' ہے۔ ابوجعفر محمد بن جریر طبری نے اسے عربی زبان میں لکھا تھا۔ اس کا موضوع دنیا کی تاریخ ہے۔ منصور بن نوح کے وزیر ابوعلی محمد بلعمی (وفات ۳۶۳ھ/ ۹۹۶ء) نے منصور کی فرمائش پر ۳۵۲ھ / ۹۴۳ء میں مذکورہ کتاب کا فارسی میں ترجمہ کیا اور خود کچھ مطالب کا اضافہ کر کے کتاب کی بعض کمی بھی پوری کر دی۔ اس کتاب کی زبان صاف اور سلیس و رواں ہے۔

حدود العالم من المشرق الی المغرب:

یہ جغرافیہ کی معتبر کتابوں میں شمار کی جاتی ہے، جو سادہ نثر میں لکھی گئی ہے۔ اس کے مؤلف کا نام معلوم نہیں ہے۔ سال تالیف ۳۷۲ھ/ ۹۸۲ء ہے۔ یہ کتاب چھپ چکی ہے۔

عجایب البلدان:

یہ کتاب ابوالمؤید بلخی سے منسوب ہے۔ تاریخ سیستان میں اس کا ذکر آیا ہے۔ اس کتاب میں دنیا کے عجایب و غرایب بیان کیے گئے ہیں اور تاریخ سیستان کے مؤلف نے سیستان کے عجایب و غرایب اسی کتاب سے نقل کیے ہیں۔ یہ کتاب نوح بن منصور کے لیے لکھی گئی تھی۔ اس کا دوسرا نام، عجایب البر والبحر ہے۔

هداية المتعلّمين:

طب کے موضوع پر فارسی میں ابوبکر ربیع بن احمد اخوینی بخاری کی تصنیف ہے، جسے چوتھی صدی ہجری کے نصف دوم میں تالیف کیا گیا تھا۔ یہ ۸۲ ابواب پر مشتمل ہے۔ اعضائے بدن اور انواعِ امراض کے بیان میں یہ اپنی نوعیت کی قابل ذکر کتاب ہے۔

الابنیه عن حقایق الادویه:

''الابنیہ'' ۵۴۸ دواؤں اور اُن کے خواص کے بیان میں ایک اہم یادگار ہے۔ یہ کتاب ابومنصور موفق ہروی نے نہایت صاف و سادہ نثر میں تالیف کی تھی۔ اس کتاب کا قدیم ترین مخطوطہ موجود ہے، جو لغتِ فرس اسدی کے

مؤلف اسدی طوسی کا کتابت کردہ ہے۔ اس کا سال کتابت ۴۴۷ھ/۱۰۵۵ء ہے۔ اس لحاظ سے یہ دنیا کا قدیم ترین فارسی مخطوطہ قرار پاتا ہے، جو آج بھی موجود ہے۔ ''الابنیہ'' شائع ہو چکی ہے۔

عہد سامانی کے علما و فضلا و نثر نگار

عہد سامانی کے ایرانی علما و فضلا اور نثر نگاروں میں زیادہ تر ایسے صاحبان علم و فضل ہیں، جنھوں نے عربی زبان کو ذریعۂ اظہار بنایا تھا۔ ان میں ابوجعفر محمد بن جریر طبری، ابو مشعر بلخی، ابویعقوب اسحاق سیستانی، محمد بن زکریا رازی، حکیم ابونصر فارابی کا نام معروف ہے۔ یہاں ان میں سے صرف دو ادیبوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ابوجعفر محمد بن جریر طبری:

محمد بن جریر طبری صوبۂ مازندران کے شہر آمل میں ۲۲۴ھ/۸۳۸ء میں پیدا ہوئے۔ سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا اور نو سال کی عمر میں حدیث لکھنے اور دیگر علوم کی تحصیل میں مصروف ہو گئے۔ تحصیل علوم کے لیے بغداد کا سفر کیا اور وہاں کے فقہا و محدثین سے حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ مصر و شام کا سفر بھی کیا اور وہاں کے علما سے علمی بحث و مباحثہ کے ساتھ استفادہ کیا۔ یہاں تک کہ اکثر علوم میں مہارت حاصل کر لی اور ان کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی۔ پھر بغداد آ کر وہاں مقیم ہو گئے اور وہیں ۳۱۰ھ/۹۲۲ء میں وفات پائی۔

محمد بن جریر طبری اکثر علوم میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ ان کے درس میں بڑے بڑے امرا اور خلفا کے وابستگان آتے تھے لیکن وہ لوگوں سے کم ملتے جلتے اور زیادہ تر وقت کتب بینی اور تصنیف و تالیف کے کاموں میں صرف کرتے تھے۔ انھوں نے بہت سی کتابیں تالیف کی ہیں، جن میں ''تاریخ الرسل والملوک'' معروف بہ ''تاریخ طبری'' اور دوسری ''جامع البیان'' معروف بہ ''تفسیر طبری'' بہت مشہور ہیں۔

۹- ابوعلی محمد بلعمی:

زیر بحث دور کے اہم علما و فضلا میں ایک ابوعلی محمد بلعمی بھی ہیں۔ ان کے خاندان کے بزرگ بلعمان یا بلعم نامی مقام کے رہنے والے تھے اس لیے اس خاندان کے لوگ خود کو بلعمی کہتے تھے۔

ابوعلی محمد کے والد کا نام ابوالفضل محمد بن عبداللہ بلعمی تھا۔ وہ ۲۷۹ھ/۸۹۲ء سے سامانی بادشاہوں کے یہاں منصب وزارت پر فائز تھے۔ اس نے ۳۲۶ھ/۹۳۷ء میں وزارت سے علاحدگی اختیار کر لی اور ۳۳۰ھ/۹۴۱ء میں وفات پائی۔ ابوعلی محمد بلعمی بھی سامانی بادشاہوں عبدالملک بن نوح (۳۴۳-۳۵۰ھ/۹۵۴-۹۶۱ء) اور منصور بن نوح

(۳۵۰-۳۶۶ھ/۹۶۱-۹۷۶ء) کے وزیر تھے۔ مؤخر الذکر بادشاہ کے حکم سے ہی ۳۵۲ھ/ ۹۶۳ء میں اس نے تاریخ طبری کا عربی سے فارسی میں ترجمہ اور اس کی تلخیص کی تھی، جو ''تاریخ بلعمی'' کے نام سے معروف ہے۔ ابوعلی محمد بلعمی اپنے والد ہی کی طرح علم و ادب اور سیاست کے میدانوں میں اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ ان کا شمار چوتھی صدی ہجری کے بڑے علما و فضلا میں ہوتا ہے۔ اس نے اپنی وزارت کے دوران جو اہم کارنامے انجام دیے ان میں تاریخ طبری کا ترجمہ مشہور زمانہ ہے۔ بلعمی نہ صرف عربی زبان کے ماہر تھے بلکہ علم ریاضی اور نجوم سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔ زین الاخبار کے مؤلف نے اس کی وفات کا سال ۳۶۳ھ/۹۷۳ء بتایا ہے۔
